انتخاب

[برصغیر ہند و پاکستان کے مشہور عالم دین اور صاحبِ قلم مولانا محمد تقی امینی صاحب مدظلہ کی تقریر موقر ماہنامہ "برہان" دہلی بابت اپریل ۱۹۶۴ء کے حوالے سے بصد شکریہ درج ذیل ہے۔ مولانا موصوف نے جن مسائل کا ذکر کیا ہے وہ پاکستان کے تمام اہلِ علم اور صاحب الرائے حضرات کی فوری توجہ کے مستحق ہیں۔]

جدید مسائل حل کرنا ہو یا سماجی خرابیوں کی وجہ سے مسلم پرسنل لا پر نظرِ ثانی ہو، اس قسم کے جملہ شرعی امور کے لئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ "اجماع" کو متحرک اور جان دار بنایا جائے،

"اجماع" دراصل قانون کو قابلِ عمل و قابلِ نفاذ بنانے کے لئے ایک قسم کا اختیار ہے جو شارعِ اصلی اور مُقننِ حقیقی کی طرف سے ان لوگوں کو عطا ہوا ہے جو فکری و علمی حیثیت سے اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اجماع کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قرآنی تعلیمات و نبوی تشریحات اپنے اپنے رنگ میں جامع ہونے کے باوجود ہر دور کی خرابیوں اور نت نئے پیدا شدہ حالات و مسائل کے تذکرہ سے خالی ہیں۔

بلاشبہ الٰہی ہدایات اپنی جگہ کامل ہیں جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ہے:-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ — آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تمہارے اوپر

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.
http://iri.iiu.edu.pk/

اور وہ حالات و مسائل میں غور و فکر کے بعد صحیح حل تجویز کرے جو ایک طرف کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو اور دوسری طرف ضروریاتِ زندگی سے ہم آہنگی پیدا کرنے والا اور دشواریوں پر قابو پانے والا ہو۔

اجماع بحیثیتِ مجموعی ہدایتِ الٰہی کی کلی پالیسی اور بنیادی اصول کے تحت ہونا چاہیئے علیٰحدہ علیٰحدہ قرآن و سنت میں اس کی سند ضروری نہیں ہے ورنہ اجماع سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا یعنی جس امر پر اجماع ہوا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ قرآن و سنت میں اس کے لئے مستقل سند موجود ہو بلکہ اس کا اسلام کے بنیادی اصول اور اس کی کلی پالیسی کے تحت ہونا کافی ہے جیسا کہ فقہاء کی تشریحات سے واضح ہوتا ہے[1]۔

البتہ جن لوگوں سے اجماع منعقد ہوتا ہے یا اصلاح کے مطابق جو اس معاملہ میں اہل حل و عقد کہلانے کے مستحق ہیں ان کا علمی اور عملی حیثیت سے معیاری اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے تاکہ قوم اُن کے فیصلہ کو سند کا مقام دینے میں حق بجانب ہو، علمی حیثیت سے مثلاً:۔

(۱) قرآنِ حکیم میں علم و بصیرت کا درجہ حاصل ہو صرف معلومات کافی نہ ہوں گے،

(۲) سنتِ نبوی کو روایت و درایت کے معیار پر جانچنے کے طریقہ سے واقفیت ہو اور اس کے صحیح مقام و محل کے تعین کی معرفت ہو۔

(۳) صحابۂ کرام کی زندگی سے واقفیت اور ان کے اجماع و فیصلہ کا علم ہو۔

(۴) قیاس کے ذریعہ استدلال و استنباط کے اصول و قواعد معلوم ہوں،

(۵) قوم کے مزاج، حالات و تقاضوں، رسم و رواج اور عادات و خصائل سے بھی واقفیت ہو۔

(۶) جدید رجحانات اور تقاضوں سے واقفیت کے لئے ایسے حضرات کو شامل کیا جائے جو زیرِ بحث معاملات میں سنجیدگی اور بصیرت کے ساتھ رائے دے سکیں۔

اجماع کے افراد کا عملی حیثیت سے اونچے اخلاق و کردار کا حامل ہونا ضروری ہے، مامورات پر عمل کرتے ہوں اور منہیات سے بچتے ہوں، اس کے لئے تقویٰ کا کوئی خاص معیار متعین نہیں ہے بلکہ فسق و فجور اور بری عادتوں سے پاک ہونا کافی ہے، اسی طرح زندگی کے حالات و معاملات میں غیر محتاط نہ ہونا چاہیئے۔

اجماع کے انعقاد کے لئے صاحبِ صلاحیت افراد کا کثیر تعداد میں ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ نہ مہیا ہونے کی صورت میں کم از کم تین سے بھی کام چل سکتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۱۱۲

ایسے فیصلہ میں ہر حیثیت سے سب کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اکثریت کا اتفاق کافی ہے صحابۂ کرام کی زندگی اور ان کے طرزِ عمل میں اس کا ثبوت ملتا ہے اور امام غزالی رح فرماتے ہیں۔

انه ینعقد مع مخالفة الاقل[1]

قاعدہ کے مطابق اجماع منعقد ہونے کے بعد اسلام کے قانونی نظام میں اسے کافی اختیارات حاصل ہیں مثلاً:۔

(۱) حالات اور تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں نئے قوانین وضع کرنا۔

(۲) پرانے اجماعی فیصلے جو حالات و مصلحت کے تابع تھے ان میں موجودہ حالات و مصالح کے پیشِ نظر مناسب ترمیم کرنا۔

(۳) وہ احکام جو بتدریج نازل ہوئے ہیں، معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدم و مؤخر کرنا۔

(۴) وہ احکام جن میں عرب کے مقامی حالات، رسم و رواج خصائل و عادات ملحوظ ہیں، ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیشِ نظر ان کے لئے نیا قالب تیار کرنا۔

(۵) وہ احکام جو وقتی تقاضا اور مصلحت کے تحت ہیں، موجودہ تقاضہ اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔

(۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں معقول دلیل کی بناء پر ان میں کسی ایک کو ترجیح دینا۔

(۷) فقہاء کی مختلف رایوں میں حالات و تقاضہ کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا وغیرہ

جن لوگوں نے الٰہی ہدایات کا دقتِ نظر اور وسعتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے نیز مروجہ احکام و مراسم کے باب میں انبیائی طرزِ عمل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے (جس کی تفصیل شاہ ولی اللہ رح کی کتابوں میں آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے) وہ اس حقیقت سے انکار نہ کرسکیں گے کہ ہدایت الٰہی کے پیشِ نظر ہمیشہ دو مقصد رہے ہیں۔

(۱) قلبی و روحانی اصلاح اور (۲) معاشرتی و تمدنی فلاح۔ اس لحاظ سے "ہدایت" میں دو قسم کے قوانین پائے جاتے ہیں (۱) ایک وہ جن کی روح اور قالب یا معنیٰ اور صورت دونوں ہی متعین اور

---

[1] از حصول المامول من علم الاصول ص ۴۰

مقصود ہیں۔ (۲) دوسرے وہ جن کی روح اور معنی مقصود ہیں، قالب اور صورت مقصود نہیں ہیں۔

پہلی قسم کے قوانین غیر متبدل اور یکساں رہنے والے ہیں اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ شکل و صورت میں ہوسکتی ہے اور نہ روح و معنی میں، اور دوسری قسم کے قوانین چونکہ سماجی زندگی کے مختلف حالات وقت اور موقع کی مناسبت کے تابع ہوتے ہیں اس لئے معاشرہ کی حالت کی تبدیلی اور تمدنی ترقی کے ساتھ ان کی شکل و صورت میں تبدیلی کی گنجائش ہے، شارع کی طرف سے ان کی صرف روح کی بقاء کا مطالبہ ہے۔ حالات و زمانے کے تقاضہ کے لحاظ سے شکل و صورت جو بھی متعین ہو اس سے بحث نہیں ہے قرآنِ حکیم کی بعض آیات سے بھی اس بحث پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً:۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ الخ ۳/۹۳ اور فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ الخ ۴/۱۶۰

ہدایتِ الٰہی کی مذکورہ نوعیت و کیفیت کی بنا پر ہر دور میں درجِ ذیل کاموں کی ضرورت رہتی ہے۔

(۱) حکم اصولی اور کلی شکل میں موجود ہے لیکن حالات کی تبدیلی کی بنا پر اس کے موقع و محل میں تبدیلی لازمی بن گئی ہے تو روح اور پالیسی کو برقرار رکھتے ہوئے حال اور مقام کی مناسبت سے اس کی صورت متعین کرنا۔ مثلاً محنت و سرمایہ میں توازن برقرار رکھنے کا مسئلہ یا حق اور فرض کے حدود متعین کرنے کا سوال وغیرہ۔

(۲) حکم موجود ہے لیکن اس پر عمل درآمد سے قومی و ملّی نقصان کا یقین ہے یا حالت و مصلحت کے بدل جانے کی وجہ سے اس کا اصل مقصد فوت ہو رہا ہے، مثلاً ذرائع پیداوار کی تنظیم اور پیداوار کی تقسیم کا مسئلہ ہے یا سرمایہ اور زمین کی نئی تنظیم کے بعد تجارت و زراعت کے بہت سے فقہی مسائل اپنے مقصد میں بڑی حد تک ناکام رہتے ہیں اور شارع کا جو اصل مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔

اسی طرح معاشرتی زندگی کے بعض فقہی مسائل ہیں جن کا نہ اب محل باقی رہا ہے اور نہ ان پر عمل درآمد سے شارع کا مقصد ہی حاصل ہوتا ہے۔

(۳) زمانہ کی کروٹوں اور نئی نئی ضرورتوں نے ایسے حالات و مسائل پیدا کر دئیے ہیں جن کا فقہ میں کوئی تذکرہ نہیں ہے البتہ اصولی اور عمومی رنگ میں ہدایت الٰہی ان سب کو شامل ہے مثلاً موجودہ دور کے مالیاتی و سماجی نظام نے بہت سے مسائل (کمرشل انٹرسٹ، انشورنس، کواپریٹیو سوسائٹیاں وغیرہ) ایسے پیدا کر دئیے ہیں جن میں غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہونچنا ہے اور مذہبی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے قوم و ملت کی رہنمائی کرنا ہے۔

ان کاموں کے لئے دوسری ضروری چیز اجتہاد کے بند دروازہ کو کھولنا ہے، بدقسمتی سے موجودہ دور میں جو طبقہ اجتہاد کا پُرزور حامی ہے وہ اس کے نشیب و فراز سے واقف نہیں ہے اور جو طبقہ کچھ واقفیت رکھتا ہے اس کی نظر میں عملاً عرصہ سے اجتہاد کا دروازہ بند ہوچکا ہے اور اس کی کنجی بھی گم ہوگئی ہے، فقہاء نے ان دونوں افراط و تفریط کی راہوں کی برائی بیان کی ہے۔ اور اجتہاد کو فقہ کا اصل مدار علیہ مدارالفقہ اور تکمیلِ ہدایت کا اہم باب قرار دیا ہے چنانچہ :۔

ولاشك ان الاحكام التى تثبت بصريح الوحى بالنسبة الى الحوادث الواقعة قليلة غاية القلة فلولم يعلم احكام تلك الحوادث من الوحى الصريح بقيت احكامها مهملة لايكون الدين كاملا فلابد من ان يكون للمجتهدين ولاية استنباط احكامها[1]

اس میں شبہ نہیں کہ جو احکام صریح وحی سے ثابت ہیں وہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کے مقابلہ میں نہایت ہی کم ہیں، اگر ان کا حکم وحیِ صریح سے بذریعہ استنباط نہ معلوم کیا جائے تو یہ مہمل پڑے رہ جائیں گے اور دین کے کمال کا دعویٰ بیکار ہو جائے گا، اس بناء پر ضروری ہے کہ مجتہدین کو احکام کے استنباط کا اختیار دیا جائے۔

اسی طرح دوسری جگہ ہے :

فلابد من حدوث وقائع لاتكون منصوصا على حكمها ولايوجد للاولين فيها اجتهاد عند ذلك فاما ان يترك فيها مع اهوائهم او ينظر فيها بغير اجتهاد شرعى وهو ايضا اتباع للهوىٰ وذلك كله فساد[2]

بضروری بات ہے کہ ایسی نئی نئی صورتیں پیش آئیں جن کا صریح حکم نہ موجود ہو اور نہ پہلے لوگوں نے ان میں اجتہاد کیا ہو۔ ایسی حالت میں اگر لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ من مانی کارروائی کریں یا اجتہاد شرعی کے بجائے محض اٹکل کے تیر چلائیں تو یہ سب خواہشات کی اتباع اور فساد کا موجب ہے

جن لوگوں کا مسلک ہے کہ ائمہ پر اجتہاد کا دروازہ بند ہوچکا ہے اب قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے، فقہاء نے ان پر اس طرح ملامت کی ہے :

وهذا كله هوس من هوسانهم لم يأتوا بدليل ولايعبأ بكلامهم وانما هم من الذين حكم الحديث انهم افتوا

یہ سب باتیں خواہشاتِ نفسانی سے تعلق رکھتی ہیں ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ ایسی لغو باتوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے یہ حضرات تو ان لوگوں میں ہیں جن کے بارے میں حدیث نبوی ہے کہ وہ بغیر جانے بوجھے فتوی دیتے ہیں جن سے خود بھی گمراہ ہوتے

---

[1] نورالانوار ص۲۴۶ [2] تلویح ص۵۰ [3] الموافقات ج ۴ ص ۱۰۴

بغیر علم فضلوا واضلوا ؎ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

رہے وہ لوگ جو اجتہاد کے پُرزور حامی ہیں اور اس کے لئے مقررہ شرطوں اور صلاحیتوں کو نہیں سمجھتے ہیں وہ بالعموم وہی ہیں جن کے دل سے قدامت کی قدر و قیمت نکل چکی ہے اور ماضی کی وہ عظیم الشان روایتیں جن پر قومی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے ان کی نظر میں فرسودہ اور غیر ترقی یافتہ بن چکی ہیں یہ اسلام کا ایک جدید ایڈیشن تیار کرنا چاہتے ہیں جس کی تقریباً ہر چیز باہر سے برآمد کی گئی ہو، یہاں ان لوگوں کے طریق کار د انداز فکر سے بحث نہیں ہے۔

کہنا صرف اس قدر ہے کہ مذہبی لوگوں میں اجتہاد کے سلسلہ میں اب تک جو رد و قدح چلتی رہی ہے اب اس کا زمانہ ختم ہونا چاہئے، ایک حد تک صاحب صلاحیت افراد ہر دور میں موجود ہوتے ہیں، انہیں کام کی ضرورت کا شدید احساس نہیں ہوتا ہے یا اس کے مواقع نہیں میسر آتے ہیں جس کی بنا پر اجتہادی صلاحیتیں بروئے کار نہیں آتی ہیں۔

بہرحال مذکورہ کاموں کی انجام دہی کے لئے اجتہاد کا بند دروازہ کھولے بغیر چارہ نہیں ہے، فقہاء نے اجتہاد کے لئے کافی سامان فراہم کر دیا ہے، اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں، کام کا انداز اور طریقہ بتایا ہے، کام کرکے دکھایا ہے، اجتہاد کے لئے جس قسم کی صلاحیت درکار ہے اس کی نہایت تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ اس سے زیادہ ہماری محرومی اور بے بصری کیا ہوگی کہ اس ذخیرہ سے فائدہ اٹھانے کو ہم جرم سمجھیں یا خود فریبی میں مبتلا رہ کر اس کی اہمیت نہ محسوس کریں۔

موجودہ حالات و ضروریات کے پیش نظر اجتہاد کے لئے اصرار کے باوجود ہماری رائے انفرادی اجتہاد کی نہیں ہے بلکہ شورائی طرز کے اجتہاد کی ہے کہ علماء کی ایک صاحب صلاحیت مجلس زیر بحث مسائل میں ضابطہ کے مطابق غور کرکے باہمی تعاون کے ذریعہ ان کا حل تلاش کرے۔

اس مجلس کو اونچے پیمانہ پر اجتہاد کی ضرورت ہوگی اور نہ کوئی نئی راہ نکالنے کی اجازت ہوگی بلکہ فقہی اصطلاح کے مطابق مجتہد منتسب نے جس طرح فرائض انجام دئے تھے ویسے ہی یہ مجلس انجام دے گی مثلاً اخذ و استفادہ کے باب میں یہ مجلس وسعت سے کام لے گی، نہ تو بالکلیہ آزاد و خود رائے ہوگی اور نہ وقت ضرورت دوسرے امام سے استفادہ کو حرام جانے گی بلکہ ہر مسئلہ کو دلیل و بصیرت کی روشنی میں

؎ شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم صفحہ ۶۲۴

سمجھ کر قبول کرے گی اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی۔

اسی طرح مختلف اقوال میں جب ترجیحی صورت نکالنے کی ضرورت ہوگی تو حالات ومقامات کی مناسبت سے مقررہ قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق بعض قول کو بعض پر ترجیح دے گی۔

اگر کسی مسئلہ میں نصِ صریح یا تعلیلِ صحیح متقدمین سے نہ ملے گی تو تحقیق وتلاش کرکے مسئلہ کو دلیل سے آراستہ کرے گی اور اس بات کا مکلف اپنے آپ کو نہ سمجھے گی کہ مسئلہ میں پہلے کی کہی ہوئی ہر بات کی تقلید کی جائے خواہ اطمینانِ قلبی حاصل ہو یا نہ ہو اور موجودہ حالت کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

اور اگر مسئلہ کی سابقہ دلیل موجود ہے لیکن اس سے قلب مطمئن نہیں ہے اور وہ مسئلہ اجماعی نہیں بلکہ اجتہادی ہے تو یہ مجلس خود اجتہاد کے ذریعہ مسئلہ کو مضبوط بنائے گی۔

ایسے ہی جب نئی صورتِ حال پیش آئے گی یا حالات ومقامات کی تبدیلی سے مسئلہ میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی تو یہ مجلس اس قسم کے فرائض بھی انجام دے گی۔

فقہ کی کتابوں میں ائمہ اور ان کے شاگردوں کے مختلف اقوال میں مذکورہ صورت کی بہت سی مثالیں تلاش کی جاسکتی ہیں، یہ مجلس اجتہاد کے طریقہ میں آزاد نہ ہوگی بلکہ وہی طرزِ عمل اختیار کرے گی جس کی نظیریں اور مثالیں موجود ہیں مثلاً پہلے زیرِ بحث مسئلہ کی روح اور مقصد سمجھنے کی کوشش کریگی پھر اس غور کرے گی کہ شارع کے پیشِ نظر اس کے ذریعہ کس قسم کی مصلحت کا حصول اور مضرت کا دفعیہ ہے پھر یہ دیکھے گی کہ اس کو مزاج اور ذہنیت کی تبدیلی میں کتنا دخل ہے نیز حاضر تی حالت اور سماجی زندگی کس حد تک اس کی روح اور اصل کردار کو جذب وانگیز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ان تمام مراحل سے گذرنے کے بعد حل طلب مسئلہ کو اس کے مناسب باب سے متعلق کریگی اور نظائر تلاش کریگی پھر اس کی روح اور مقصد کو سامنے رکھ کر مقررہ قاعدہ کے مطابق بالترتیب قرآن و سنت، اجماع وقیاس سے اس کا تعلق جوڑے گی۔ بعض صورتیں ایسی ہوں گی جن کا حل آسان ہوگا، صرف اصول وکلیات اور ضرورت ومصلحت میں صحیح تطبیق سے ان کا حل نکل آئے گا اور بعض میں دشواری پیش آئے گی اور ایسی حالت میں اختلافِ ائمہ سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت پڑے گی لیکن ہر حال میں روح اور مقصد کو سامنے رکھنا ضروری ہوگا اور فقہی ضابطہ سے انحراف جائز نہ ہوگا ورنہ شریعت ہوا وہوس اور سہل پسندی کا "بازیچہ" بن کر رہ جائے گی۔

وَرَضِیْتُ لَکُمُ الاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ) اپنی نعمت تمام کردی اور دینِ اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا۔

لیکن کامل ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر قسم کی سماجی خرابیوں پر قابو پانے کی تدبیروں اور ہر دور کے نئے پیش آمدہ مسئلوں کا تفصیلی ذکر ان میں موجود ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں ہے لا ادراج حکم کل حادثۃ فی القرآن[1] (ایسا نہیں ہے کہ ہر جزئی واقعہ و حادثہ کا حکم قرآن حکیم میں موجود ہے)

ایسی حالت میں فطری طور پر کسی ایسی شکل کی ضرورت ہے جو وقتِ ضرورت موجودہ مسائل کا محل متعین کرتی رہے اور الٰہی ہدایات کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کر کے زندگی اور قانون میں ہم آہنگی پیدا کرتی رہے۔ ورنہ زمانہ کا "مفتی" بہت سے مروجہ مسائل کو مہمل قرار دیدے گا اور پیش آمدہ مسائل میں اپنا رنگ بھر کر لوگوں کو عمل کے لئے مجبور کردے گا۔ اور پھر دین کے کمال کا دعویٰ باطل ہو جائیگا

اسلامی اصولِ قانون میں "اجماع" کو جس قدر زیادہ اہمیت حاصل ہے بدقسمتی سے اسلامی تاریخ میں اسی قدر بے توجہی برتی گئی ہے۔ شخصی حکومتوں کے زمانہ میں اس بنا پر حوصلہ افزائی نہیں کی گئی کہ حکومتیں عموماً ایسا کوئی "ادارہ" برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی ہیں جو ایک طرف تو حالات و مسائل میں آزادانہ غور و فکر اور فیصلہ کا حامل ہو اور دوسری طرف عوامی رجحان کو مائل کرنے کی اس میں طاقت و صلاحیت ہو۔

دراصل اس سیاسی مفاد کی وجہ سے "اجماع" جیسے اہم اصول کو بروئے کار آتے رہنے کا موقع نہ مل سکا اور بعد میں یہ خیال عام ہوگیا کہ اجماع میں چونکہ جمیع امت کا اتفاق ہونا چاہئے اور یہ صورتِ حال تقریباً ناممکن ہے اس لئے اجماع کا انعقاد بھی ناممکن ہے۔ حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح فرماتے ہیں۔

"اصل ثالث از اصول شریعت اجماع است باز اجماعیکہ متخیل اہلِ زبان است بمعنی اتفاق جمیع امتِ مرحومہ بحیثیت لایشذ منہم فرد واحد نصًّا من کل واحد منہم خیال محال است ہرگز واقع نشدہ"

پھر آگے فرماتے ہیں :-

"اجماع کثیر الوقوع اتفاق اہلِ حل وعقد است از فقیہانِ امصار این معنی در مسائل مصرحہ فاروقِ اعظم یافتہ می شود کہ اہلِ حل وعقد براں اتفاق کردہ اند"[2]

اجماع کی ممکن العمل صورت یہی ہے کہ قانونی معاملات میں اہلِ حل وعقد کی ایک مجلس مشاورت قائم کی جائے

---

[1] تلویح صفحہ ۵ [2] ازالۃ الخفاء۔

مجلس کو درج ذیل قسم کے کام انجام دینے ہوں گے۔

(۱) مسلم پرسنل لاء کے ان مسائل کی فہرست تیار کرنا جن میں حالات کی تبدیلی اور سماجی خرابیوں کی بناء پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔

(۲) پرسنل لاء پر عمل درآمد کے لئے سماجی خرابیوں اور ان کے ازالہ کی تدبیروں پر غور و فکر کر کے عملی قدم اٹھانا۔

(۳) ان رسوم کے متعلق حکم شرعی کا اظہار جنہوں نے مسلمانوں کی خانگی زندگی کو نہایت دشوار و عذاب جان بنا دیا ہے، اور ان کے ازالہ کے لئے شرعی، اخلاقی اور قانونی کوشش کرنا۔

(۴) نئے پرسنل لاء کی تدوین اور اس کو منظور کرانے کی کوشش کرنا۔

(۵) پرسنل لاء کو نافذ کرنے کے لئے شرعی حاکم کے تقرر کے لئے جد و جہد۔

(۶) جدید مسائل کی فہرست مرتب کر کے ترتیب وار اُن کو حل کرنا،

اگر جدید مسائل کو حل کرنے کی طرف فوری طور پر اجتماعی قدم نہ اٹھایا گیا تو مذہبی طبقہ مذہب سے مایوس ہو جائے گا اور یا پھر اپنے کو مذہب کی خود ساختہ تعبیر کے حوالہ کرنے پر مجبور ہوگا۔

رہبرانِ ملت۔ آخر میں اتنی اور گذارش ہے کہ یہ کام بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھے لیکن افسوس ہے کہ مختلف وجوہ کی بناء پر اب تک نہ ہو سکا، یہ غالباً آخری وقت ہے، اگر اب بھی کام میں وہی وجوہ حائل بنے رہے تو قوم و ملت کا اتنا عظیم خسارہ ہوگا کہ اس کی تلافی کی کوئی امکانی صورت نظر نہیں آتی ہے اور قیامت کے دن جب ہم سے بازپرس ہوگی تو ہماری ساری خوش فہمیاں بے نتیجہ اظہارِ معذرت میں تبدیل ہو جائیں گی، اور کوئی بات بنائے نہ بن سکے گی! واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

بہ شکریہ "برہان" دہلی۔ اپریل ۱۹۶۴ء

مقامات فکر و نظر کون سمجھے
یہاں لوگ نقشِ قدم دیکھتے ہیں

تپاں اجمیری